معجزات اور خلقی نتائج ہیں۔ بنی اکرمؐ کی شخصیت سے وابستہ نہیں۔ تمام بشری خوبیوں اور خرابیوں سے شخصیت تصور کرنے والے حضرات کے اصولی تصور کی نفی کرتا ہے اور قرآن کے بنیادی آہنگ کے خلاف ہے۔ جو لوگ مثلیت اور بشریت کے درمیان کا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ نبی اکرمؐ کی عصمت پر ایمان رکھتے ہیں مگر الفاظ کے الٹ پھیر سے کمالاتِ نبی کے بعض پہلوؤں کی نفی کرتے ہیں، اور بعض فیصلوں کو "اجتہادِ نبوی" کی بھول چوک قرار دیتے ہیں اور منصب نبوت کی عظمت اور عصمت کی خود ہی تکذیب کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو نبی اکرم کو نور اور مثلِ بشر مانتے ہیں، وہ نبیؐ کی شخصیت اور نبوت کے ہر پہلو ہر عمل اور ہر جہت میں ایک الوہی شان دیکھتے ہیں۔ سید سلیمان ندوی کا تصورِ بشریت و رسالت اگرچہ قرآن سے ماخوذ ہے مگر انھوں نے بشریت، مثلیت اور حقیقت میں توازن پیدا کرنے کی غرض سے ایک ایسا تصور پیش کیا ہے، جو تناقض اور تضاد سے خالی نہیں۔ انھوں نے لکھا ہے:

"اس میں شک نہیں کہ وحی اور ملکۂ نبوت کے علاوہ نبی میں، نبوت و رسالت کے فرائض سے باہر کی چیزوں میں وہی عقل ہوتی ہے، جو عام انسانوں کی ہوتی ہے اور جس میں اجتہادی غلطی کا ہر وقت امکان ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک اجتہاد کی یہی وہ دوسری قسم ہے، جس میں نبی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔"[۴]

اس بیان کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) نبی پر وحی آتی ہے اور اس کو ملکۂ نبوت ہوتا ہے

(۲) لیکن ملکۂ نبوت کے علاوہ ایک نبی میں وہی عقل ہوتی ہے جو عام انسانوں میں ہوتی ہے

(۳) جب نبی اپنی (انسانی) عقل سے کام لیتا ہے تو وہ غلطی کر سکتا ہے۔

---

۴ ایضاً ص ۱۴۲

اگر ہم سید سلیمان ندوی کی اس رائے کو تسلیم کر لیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ نبی اکرمؐ کی شخصیت میں بعثت سے پہلے نبوت نہ تھی پھر بھی وہ معصوم بشر ہوتے اور کبھی بشریت پر نبوت کا غلبہ آ جاتا تو وہ فہم نبوی یعنی الٰہی نگاہ سے کام لیتے اور جو کچھ کہتے صحیح کہتے لیکن جب بشر محض ہوتے تو بشری عقل سے کام لیتے اور غلطی کے مرتکب ہوتے یا ہو سکتے۔ یہ تصور بہت خام اور قرآن کے دیے ہوئے تصور نبوت کے خلاف ہے اس میں معنوی نبوت پر بشریت غالب رہتی ہے۔ اور نبی جو حقیقی نبی ثابت ہوتا ہے یعنی ملکہ نبوت بہ تمام و کمال معصوم ہوتا ہے اور اس کے بعد نیز اس سے پہلے صرف بشر۔ یا یہ کہ نبی دو حیثیتوں میں کام کرتا ہے کچھ اپنی طرف سے جس میں غلطی کر سکتا ہے اور کچھ خدا کی طرف سے جس میں صحیح فیصلہ کرتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات گواہ ہیں کہ نبی اللہ کی طرف سے مامور مخصوص ہوتا ہے۔ اس کو مخصوص عقل نبوت اور حکمت حاصل ہوتی ہے۔ وہ علم و عدل کی وہبی صفات سے متصف ہوتا ہے جس کو قرآن نے "حکم" سے تعبیر کیا ہے اس کو غیب کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم بشریت و شلمت کے مابین ہم آہنگی تلاش کرنے والوں کے نزدیک بھی کچھ محدود بوجہ ہوتا ہے۔ بقول مولانا سید ابو الحسن علی ندوی۔

"وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نبوت (اور اللہ کی مرضی ...) عالم غیب سے تعلق کی وجہ سے عالم نبوت (اور غیبی) حقائق کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔" [5]

جبکہ بشریت کو نور مجسم تصور کرنے والوں کے نزدیک نبی کو یہ علم وسیع انداز میں حاصل ہے۔ اور علم غیب نور کی صفت کے طور پر نبی (شخصیت) کا حصہ ہوتا ہے۔ اس کے علم و خبر کا چشمہ علم ربانی اور وحی تو ہے ہی، نور مجسم ہونے کی وجہ سے عصمت اور علم غیب اس کی سرشت میں داخل ہے۔ اس کا بظاہر تعلق تو اسرار عالم غیب سے ہے لیکن وہ خود غیب سے عالم شہادت میں جلوہ گر ہے۔ وہ بحکم ربی حیرت انگیز تصرفات پر قادر ہیں۔ یہ تصرفات نور سے لازمی طور پر وابستہ بھی ہیں حضور اکرم اس وقت بھی نبی تھے، جب کائنات عالم وجود میں نہیں آئی تھی یعنی حیات ظاہری

---

۵ منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ۱۹۷۵ء لکھنؤ ص ۸۰

[illegible] منصب نبوت پر جلوہ افروز تھے۔ حالانکہ تاریخی طور پر اس کا اظہار عمر کی ایک مخصوص منزل پر ہوا تھا۔ اور آپ کی نبی [illegible] خدا میں ہیں۔ ان کا ہر قول و فعل منجانب اللہ ہے۔ اللہ جل شانہٗ خود فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔

(سورۂ نجم۔ پارہ ۲۷)

(ترجمہ) نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا، بلکہ وہ وحی ہوتی ہے۔ جو اس کو کی جاتی ہے۔

(ترجمہ سلیمان)

(ترجمہ) "اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں، مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔"

(ترجمہ رضویہ)

قرآن نے یہ طے فرما دیا ہے کہ نبی "خواہش نفس" سے نہیں "وحی الٰہی" سے کلام کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ہر قول و فعل حتیٰ کہ اس کی [illegible] تک مشیتِ الٰہی، وحی ربانی اور منشائے خداوندی ہوتی ہے۔
ایک اور جگہ اللہ جل شانہٗ نے رسول کی ذات بابرکات کو قرآن کی طرح مستقل ہدایت قرار دیا ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ

(سورۂ آل عمران پارہ ۴)

(ترجمہ) اے مومنو اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کا کہا مانو گے، تو وہ ایمان لا چکنے کے بعد تمہیں مرتد کرکے کافر بنا دیں گے۔ اور تم کو کیوں کر کفر کرنا چاہئے۔ در آں حالیکہ تم کو اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں۔ اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔"

(ترجمہ سلیمان)

(ترجمہ) اے ایمان والو اگر تم کچھ کتابیوں کے کہے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان کے بعد

تمہیں کافر کر چھوڑیں گے۔ اور تم کیوں کر کفر کرو گے؟ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور تم میں اس کا رسول تشریف لایا۔"

(ترجمہ رضویہ)

اس آیت شریف کے آخری ٹکڑے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے نزدیک کفر سے بچانے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک آیات الٰہی اور دوسری ذاتِ نبی۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ ربانی اور ذاتِ نبی ایک دوسرے کا نعم البدل تکملہ اور عین ہیں۔ ایک قرآنِ مطلق ہے اور دوسرا قرآنِ ناطق۔ مگر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سا رسول کفر سے بچا سکتا ہے؟ نصیبِ نبوت سے اجتہادی غلطی کرنے والا جزوقتی نبی یا مثلِ بشر نورِ مجسم، الوہی صفات سے متصف ہو کر عالموں پر رحمت کرنے والا نبی؟

سید سلیمان ندوی نے اجتہادی غلطی کرنے والے جس جزوقتی نبی کا تصور پیش کیا ہے وہ قرآن کے اس تصورِ نبوت کے خلاف ہے جس میں نبی خطا اور نسیان سے محفوظ ہوتا ہے۔ اس سے بھول چوک اور غلطی نہیں ہوتی۔ وہ گناہ سے پاک اور معصوم ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت کا ہر داخلی اور خارجی رُخ نبوت کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ سوچتا کہتا اور کرتا ہے۔ وحیٔ الٰہی کے مطابق کرتا ہے اور صحیح کرتا ہے۔ وہ مثلِ بشر اور نورِ مجسم نبی ہے۔ ہزار بار صلوٰۃ و ہزار بار درود۔

قسط ۲

وحی نبوت کے تصور میں

سرسید اور مولانا آزاد کا اختلاف

اخلاق حسین قاسمی دہلوی

مولانا آزاد وحی الٰہی اور نبوت کی اہمیت و ضرورت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابتداً اگر خدا کی ربوبیت (پرورش) کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہمیں وجدان کے ساتھ حواس بھی دے کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اگر ضروری تھا کہ حواس کے ساتھ عقل بھی دے کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تو کیا ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی دے کیونکہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اور اعمال کی درستگی انضباط کیلئے کافی نہیں (یعنی انسانی زندگی کو درست کر کے اسے ایک ضابطہ اور نظام کے تحت لانے کے لیے عقل کی ہدایت کافی نہیں)

قرآن کہتا ہے کہ ضروری تھا اور اسی لیے اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیے ایک چوتھے مرتبۂ ہدایت کا بھی سامان کر دیا۔ یہی مرتبہ ہدایت ہے جسے وہ وحی نبوت کی ہدایت سے۔ تعبیر کرتا ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں وہ اللہ کی ایک خاص ہدایت کا ذکر کرتا ہے اور اسے الہدیٰ کے نام سے پکارتا ہے یعنی الف لام تعریف کے ساتھ

قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ — اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے کہدو، یقیناً اللہ کی ہدایت ہی الہدیٰ ہے

انسان کے لیے حقیقی ہدایت ہے (ترجمان جلد ا صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۷)

مولانا آزاد نے وحی کے عام مفہوم اور اس کے اصطلاحی شرعی مفہوم کے درمیان واضح خط کھینچ کر شرعی مفہوم کی اہمیت و ضرورت کو واضح کیا ہے ــــ اور دوسرے مفکرین کے ہاں وحی کے مفہوم عام پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ وحی شرعی کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

مولانا آزاد کو ان مذکورہ آیات کی تشریح تک پہنچنے کا موقع نہیں ملا جن آیات میں خاص طور پر خدا تعالیٰ نے وحی کی حقیقت اور اس کے نزول کی کیفیت پر روشنی ڈالی ہے۔ البتہ اختصار اور اجمال کے ساتھ جن آیات میں کلام الٰہی کے نازل ہونے کا ذکر ہے مولانا نے ان آیات کی وہی تشریح کی ہے جو جمہور علماء امت سے منقول ہے۔

(البقرہ آیت ۲۱) وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا الخ

ترجمہ فرماتے ہیں: اور دیکھو! اگر تمہیں اس کلام کی سچائی میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے اور تم خیال کرتے ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے یا تمہیں رسالت و وحی سے انکار ہے تو اس کا فیصلہ بہت آسان ہے۔ اگر یہ محض انسانی دماغ کی بناوٹ ہے تو تم بھی انسان ہو، زیادہ نہیں، اس کی سی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ (اول ۱۸۱)

اسی سورہ کی آیت (۹۱) قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ الخ کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اے پیغمبر! یہ اللہ کا کلام ہے جو جبریل نے اس کے حکم سے تمہارے قلب میں اتارا ہے اور یہ اس کلام کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکا ہے۔ (جلد اول ۲۰۱)

ان تشریحات کے بعد مولانا آزاد کے تصور وحی کو سرسید کے تصور کے مطابق